مُسلم ممالک میں اسلامی قانون سازی

از ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمان ——— :

ترجمہ: جناب محمد دین چوہدری ایڈووکیٹ لاہور ہائی کورٹ ——— لاہور

فاضل مقالہ نگار جناب ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمان صاحب چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کا یہ مقالہ گو کہ ۱۹۶۷ء کے پی۔ ایل۔ ڈی جرنل میں بزبان انگریزی شائع ہوا تھا۔ اور اس وقت سے آج تک اسلامی مملکتوں کے قانون سازی کے شعبے میں بہت کچھ کام بھی ہو چکا ہے۔ تاہم اس کی افادیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا اُردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا ایک دوسرا بسیط و جامع مقالہ "اسلامی نظامِ عدل" کے عنوان سے بھی شاملِ اشاعت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد تک مقدمات کے فیصلے سختی سے قرآن و سنت کی روشنی میں کئے جاتے رہے۔ مقدمات میں جہاں کہیں قرآن و سنت سے واضح احکام حاصل نہ ہوتے۔ خلفائے راشدین کے فیصلوں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات سے رہنمائی حاصل کی جاتی رہی۔ اور جہاں کہیں بھی میسر نہ ہوتیں،

اجتہاد کر لیا جاتا لیکن کسی مرتب و مدوّن مجموعہ قوانین کی عدم موجودگی اور انفرادی آراء اور حقائق کے تصادم کی شکل میں بے ضابطگیاں اور اختلافات ظہور پذیر ہوتے رہے۔ اس بحران کی درستگی کی سمت پہلا قدم اس مسئلے کی شدّت کا شعور تھا جس کی طرف عباسی خلفاء کے عہد میں ابن مقفع م (۱۴۴ھ) نے خلیفہ ابو جعفر المنصور کو اپنے ایک خط میں توجہ دلائی۔ اگرچہ ابن مقفع کی وسیع القلبی کو عباسی دور میں بہت احترام سے نوازا گیا لیکن اپنے خط میں ملک میں نفاذ اور تدوین قانون کی اہمیت پر زور دینے کے باوجود چند وجوہات کی بناء پر ابن مقفع کی تجاویز پر عملدرآمد نہ کیا جا سکا۔

امام ابو حنیفہؒ

دوسری صدی ہجری کی دوسری چوتھائی میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے پیروکاروں نے تدوین فقہ جیسے مہتم بالشان کام کی بنیاد ڈالی۔ اور رفتہ رفتہ اس نے یہاں تک اہمیت حاصل کر لی کہ اسی وقت سے کتب فقہ منظر عام پر آنے لگیں۔ اس رجحان کا فوری اثر یہ ہوا کہ قاضی حضرات نے قرآن و حدیث سے بلاواسطہ استنباطِ مسائل کی بجائے کتب فقہ ہی سے کام چلانا شروع کر دیا اس دور میں فقہی ذرائع اور وسائل منتشر تھے اور گوناگوں حاشیوں، تبصروں، تعبیری وضاحتوں اور طویل تشریحی نوٹس کے لامتناہی سلسلوں کی وجہ سے قاضی حضرات کے لئے کسی خاص مقدمہ میں درست فیصلے تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔ یہ سب کچھ اس طرح اور بھی زیادہ مشکل ہو گیا۔ کہ کسی معلوم شدہ مسئلہ کے متعلق ائمہ حضرات اور فقہاء کرام کی مختلف آراء اور رجحانات کے پیشِ نظر کوئی مخصوص ضابطہ کس طرح وضع کیا جائے اور یہ طے کیا جائے کہ کونسا ضابطہ قابل ترجیح ہے۔ اور کونسا نکتہ اجماعی رائے کا حامل ہے۔ یہ صورتِ حال ایک اوسط درجہ کے

قاضی کی قوت استنباط سے باہر تھی۔

مسلم ہند

اورنگ زیب نے تخت نشین ہونے کے چار سال بعد ۱۰۷۳ھ میں یہ شاہی فرمان جاری کیا۔ کہ اسلامی فقہ کی ترتیب و تدوین کی جائے۔ نتیجتاً شیخ نظام الدین برہان پوری کی صدارت میں ملک کے طول و عرض سے علماء کرام اور دوسرے اہلِ علم و عقل حضرات کے انتخاب کے بعد ایک بورڈ تشکیل دیا گیا یہ بورڈ آٹھ سال کی محنت کے بعد چھ جلدوں پر مشتمل فتاوی کو تشکیل دینے میں کامیاب ہو گیا۔ جس میں حنفی مسلک کے مطابق عبادات، مذہبی عقائد عائلی معاملات۔ باہمی لین دین اور عقوبات کے قوانین درج تھے یہ کتاب فتاوی ہندیہ کے نام سے بھی موسوم ہے جس کے اردو ترجمہ کا نام فتاویٰ عالمگیری ہے حضرت اورنگ زیب عالمگیر کا یہ اقدام فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین کی جانب پہلی باقاعدہ کوشش تھی جس نے فتاویٰ "تاتارخانیہ" کی جگہ لی یہ فتویٰ اپنے زمانے کی ضروریات کے عین مطابق مرتب کیا گیا تھا۔

ترکیہ

اسلامی دنیا میں تدوین فقہ کی دوسری باقاعدہ کوشش ۱۸۰۰ء میں کی گئی۔ جس کے نتیجے میں سلطان ترکی نے ایک آرڈی ننس کے ذریعے سعادت پاشا کی سربراہی میں دیوانی قوانین کی تدوین کے لئے ۱۸۶۹ء میں ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی نے ۱۸۷۶ء میں اسلامی قوانین کے متعلق ایک کتاب "مجلۃ الاحکام العدلیہ" کے نام سے ترتیب دی۔ جسے صرف مجلہ بھی کہتے ہیں اس کتاب کے شروع میں

فقہی تعریفات۔ ان کی مختلف اقسام اور قانونی اقوال پر مشتمل ایک تعارف موجود ہے اقوال کی تعداد ایک سو ہے۔ جو سولہ فصلوں پر مشتمل ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

بیع، کرایہ، ضمانت، رہن، وقف، ہبہ، غصب، شفع، شراکت، ایجنسی، آڑھت، تاوان، رسیدات، طلب رجسٹری، دعویٰ، شہادت، حلف اور نظام عدل وغیرہ۔ ۱۸۵۱ دفعات پر مشتمل ان قوانین کی تدوین جدید تقاضوں کی روشنی میں کی گئی اور ملک میں قانون کا درجہ دیا گیا۔ لیکن بدقسمتی سے ان کا نفاذ زیادہ دیر تک نہ رہا اور کمال اتاترک کے انقلاب کے بعد حکومت ترکیہ نے سوئٹزرلینڈ کے قوانین کے نفاذ کا فیصلہ کر لیا۔ جنہوں نے مجلہ کی جگہ لی، البتہ مجلہ اپنی جدید صورت میں فلسطین عراق۔ شام اور اُردن میں نافذ العمل ہے۔

عائلی قوانین

سول قوانین کے علاوہ حکومت ترکیہ نے ۱۹۱۷ء میں ایک اور قانونِ ازدواج و طلاق نافذ کیا۔ یہ قانون "حقوق العائلہ" کے نام سے موسوم ہے۔ اگرچہ اس قانون کا بیشتر حصہ حنفی تعلیمات کے مطابق ہے۔ تاہم جبری شادی، جبری طلاق اور نشے کی حالت میں طلاق وغیرہ مالکی قوانین کے مطابق نافذ العمل ہیں۔

مصر

جہاں تک اسلامی قانون سازی کی جدید تحریک کا تعلق ہے۔ مصر نے اس جانب ایک ہراول دستے کا کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں مصر میں پہلی بار انفرادی قوانین کو مخصوص انداز میں مدوّن کرنے کا کام شروع ہوا۔ اس کی تشکیل کے لئے مذاہب اربعہ پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا گیا جس نے چند سالوں کی کوشش کے

بعد خاندانی قوانین اسلامی کے بارے میں ایک مسودہ تیار کر لیا۔ لیکن جب اس کی طباعت ہوئی۔ تو اس پر تمام اطراف سے اعتراضات کی بارش ہونے لگی چنانچہ مصری حکومت اسے ملکی قوانین کی حیثیت سے نافذ کرنے سے باز رہی ۱۹۲۰ء میں حکومت مصر نے محکمہ مذہبی امور کے سربراہ، شیخ الازہر اور دیگر مفتیان دین پر مشتمل ایک کمشن تشکیل دیا۔ اس کمشن نے اسی سال عائلی قوانین میں اصلاحات سے متعلق اپنی سفارشات حکومت کو پیش کیں۔ ان سفارشات کو جلد ہی قانون کا درجہ دیدیا گیا۔

اس قانون کے نفاذ سے پہلے شخصی قوانین سے متعلق امام ابو حنیفہؒ کی ترجیحی آراء پر ریگولیشن ۱۹۱۰ء کی دفعہ ۲۸۰ کے مطابق عمل درآمد کیا جاتا تھا۔ اور اسے مذہبی عدالتوں کی تنظیم کا ریگولیشن کہا جاتا تھا۔ تاہم ۱۹۲۰ء کے ایکٹ کے مطابق اس دفعہ میں کچھ ترامیم کی گئیں۔ خاوند کے لاپتہ ہونے کی صورت میں عورتوں کے نان نفقہ اور حصول طلاق کے معاملات کے حق کے سلسلے میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی آراء اختیار کی گئیں، اس قانون کے تحت کی گئی بڑی بڑی تبدیلیاں حسب ذیل ہیں:

۱۔ حنفی فقہ کے مطابق ایک بیوی اپنے خاوند سے گذشتہ عرصہ کا نان نفقہ صرف اس صورت میں طلب کر سکتی ہے جبکہ کسی عدالت کی ڈگری موجود ہو۔ یا فریقین کے درمیان کوئی سمجھوتہ طے پا چکا ہو، لیکن اس قانون میں فقہ شافعی کے مطابق بیوی کا نان نفقہ خاوند پر ایک قرض قرار دیدیا گیا جسے ادا کرنے سے وہ پہلوتہی کرتا۔ اور پس وپیش سے کام لیتا رہا۔

۲۔ اور اگر خاوند بیوی کو نفقہ ادا کرنے سے قاصر رہا ہو تو بیوی اس سے علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ مالکی فقہ کی روشنی میں بیوی عدم ادائیگی نفقہ اور لاعلاج بیماری کی صورت میں علیحدگی کی مستحق ہوگی۔

(۳) بعینہٖ اگر خاوند چار سال تک لاپتہ ہو۔ تو اس کی بیوی علیحدگی کی مستحق ہے ۱۹۲۹ء کے بعد مصری حکومت نے ایک اور آرڈی ننس کے ذریعے نشہ کی حالت میں طلاق اور طلاق با لجبر کو غیر مؤثر اور نا قابلِ وقوع قرار دیا۔ تاہم اس ضمن میں چند صورتیں مستثنیٰ قرار دی گئیں یعنی ایسی طلاق جس میں خاوند کی طرف سے مکمل ارادہ شامل ہو۔ نیز دوسری تمام طلاقیں ماسوائے طلاق قبل از خلوت صحیحہ خلع طلاق بائن تین طہور میں سب قابلِ رجوع ہونگی مزید برآں ایک بیوی اپنے خاوند کی ایک سال تک مجہول عدم موجودگی یا تین سال تک قید کی صورت میں طلاق کی مستحق ہوگی۔

چند دوسرے قوانین جو بچوں کی ولدیت، نفقہ۔ حق مہر۔ ولایت بچگان وغیرہ کے متعلق تھے۔ نافذ العمل رہے۔

۱۹۴۳ء میں قانونِ وراثت اور ۱۹۴۶ء میں قوانین وقف و وصیت نافذ ہوئے ان قوانین میں چند شقیں حنفی فقہ سے مختلف تھیں۔ آج کل مصر میں عائلی قوانین ایک مستند ضابطہ کی صورت میں نافذ العمل ہیں ان قوانین پر چند تبصرے بھی لکھے گئے ہیں۔

۱۹۳۶ء میں ایک خاص تعداد میں کمیٹیاں بنائیں گئیں۔ اور ۱۹۳۸ء میں دیوانی قوانین کی تشکیل دی گئی۔ آخری کمیٹی عبدالرزاق منہوری کی زیر صدارت تشکیل دی گئی اس کمیٹی نے اپنا کام دو سال میں مکمل کر کے حکومت کو اپنی سفارشات پیش کر دیں۔ آج کل تقریباً تمام مروجہ دیوانی قوانین فقہ و شریعت کے مطابق ہیں۔

شام

۱۸ مارچ ۱۹۳۹ء سے شام میں "مجلۃ الاحکام العدلیہ" قانونِ مدنی کے نام

سے نافذ ہے۔ تاہم ۱۹۱۸ء سے قبل مخصوص حالات کی بدولت قوانین کا انتخاب چاروں مکاتب فکر سے کیا گیا تھا اور انہیں قانون مملکت کے نام سے اصلاحی مقاصد کے پیش نظر ملک میں رائج کیا گیا۔ اِن قوانین کے مطابق اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کو نان و نفقہ نہ ادا کر سکا ہو یا لا علاج مرض میں مبتلا ہو یا عام حالات میں چار سال سے لاپتہ ہو یا جنگ کی صورت میں ایک سال سے قید میں ہو تو وہ شادی فسخ ہو سکتی ہے۔ یا طلاق واقع ہو سکتی ہے بعد میں ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو شامی وزارت انصاف نے پروفیسر طنطاوی کو عائلی قوانین کی تدوین کا کام سونپا جس نے ۱۹۴۸ء میں اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کی اس رپورٹ کو پروفیسر طنطاوی سمیت پانچ ممبروں پر مشتمل کمشن کے سپرد کیا گیا۔ جس نے پہلے سے کئے گئے کام کی دوسری خواندگی کی دسمبر ۱۹۵۱ء کو ایک اور کمشن معرض وجود میں آیا اس کمشن کو اسی رپورٹ پر نوٹ لکھنے کا کام سونپا گیا۔ کمشن نے اپنا نوٹ وزارت انصاف کو ایک بل کی صورت میں پیش کیا وزارت نے اسے قانون مملکت بنانے کے خیال سے اشاعت کے لیے دیدیا تاہم چند وجوہات کی بنا پر قانون سازی کلاسیکل قانون کے معیار پر پوری نہ اتر سکی۔ آخر کار چند دفعات کی ترمیم کے بعد شخصی قانون کو ۱۹۵۲ء میں "قانون احوال الشخصیۃ" کے نام سے نافذ کر دیا گیا اس قانون کے تحت لڑکی کے لیے شادی کی عمر ۱۷ سال اور لڑکے کے لیے ۱۸ سال مقرر کی گئی لیکن پندرہ سالہ لڑکا اور تیرہ سالہ لڑکی بھی اگر شادی کرنا چاہیں اور ان کے والدین کی کوئی اعتراض نہ ہو تو قاضی انہیں خصوصی اجازت دے سکتا ہے دوسری شرط کے طور پر فریقین کے لیے جسمانی صحت کا سرٹیفکیٹ اور قاضی کا اجازت نامہ پیش کرنا لازمی تھا بعینہٖ پہلی بیویوں کی موجودگی میں دوسری

شادی کے لیے قاضی کی اجازت ضروری قرار دی گئی۔ لیکن اس اجازت کا انحصار خاوند کی مالی حالت پر رکھا گیا البتہ حالت نشہ میں یہ طلاق اور طلاق رجعی کے معاملات میں مصری قانون کی تقلید کی گئی۔ اسی طرح سہ بار یا اس سے زیادہ طلاقیں ایک ہی سمجھی گئیں بعینہٖ خلع۔ طلاق رجعی کے دائرے میں داخل کی گئی۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل کے نظریات کی پیروی کرتے ہوئے۔ عورت کو عدم ادائیگی نان و نفقہ کی صورت میں علیحدگی کا ایک اور حق دیا گیا بچوں کی ولدیت کے مسئلے میں امام ابوحنیفہ کے احکام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دو سال کی بجائے حمل کا عرصہ ایک سال مقرر کیا گیا۔

وصیتوں کے سلسلے میں بھی چند تبدیلیاں کی گئیں۔ مثلاً مالکی مکتبہ فکر کے مطابق غیر حاضر شخص کے حق میں وصیت کو درست خیال کیا گیا۔ اسی مکتبہ فکر کے مطابق اگر موصیٰ لہٗ اپنے موصی کو قتل کر دے تو باوجود اپنے حق میں وصیت کے وہ اس کی جائیداد میں سے کچھ حاصل کرسکنے کا مجاز نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں سب سے اہم سوال ابن حزم اور امام احمد بن حنبل کی تعلیمات کے مطابق بیٹے کی موت کے بعد دادے کا اپنی زندگی میں پوتے کے حق میں وصیت کے اطلاق کا تھا۔ جس کے مطابق پوتا اپنے متوفی باپ کی کل جائیداد کا وارث قرار دیا گیا۔ مزید برآں قانون وراثت میں بھی چند ایک تبدیلیاں متعارف کرائی گئیں۔ فقہ مالکی کے مطابق کسی شخص کا قاتل اس کی جائداد میں سے کسی شے کا وارث نہ سمجھا جائے گا اور زید اور ابن مسعود کے فتوے کے مطابق بھائی باپ کی موجودگی میں اپنے متوفی بھائی کی جائیداد کے ورثاء میں شامل ہوگیا۔ نیز متوفی کی وفات سے ایک سال کے دوران پیدا ہونے والا بچہ بھی وارث قرار دیدیا گیا۔

تیونس

ٹیونس میں شخصی قوانین کی تدوین کی ابتداء اگست ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ ٹیونس کے عائلی قوانین کے مطابق لڑکے اور لڑکی کی عمریں بالترتیب اٹھارہ اور پندرہ سال مقرر کی گئیں۔ ساتھ ہی جج کو ان عمروں سے پہلے شادی کرنے کی اجازت دینے کا اختیار بھی دیا گیا۔ بشرطیکہ فریقین نے یا ان میں سے کسی ایک نے بلوغت کا سرٹیفکیٹ پیش کر دیا ہو۔ نیز ایک سے زیادہ شادی کی سختی سے ممانعت کر دی گئی۔ اور پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کو جرم قرار دیدیا گیا جس کی سزا ایک سال قید یا ۲۵۰۰ روپے جرمانہ (تقریباً ۵۰۰۰ پاکستانی روپے) یا دونوں مقرر کی گئیں۔ ٹیونس کے قانون کے تحت خاوند کے لیے اپنا حق طلاق استعمال کرنے سے پہلے عدالت میں دعویٰ دائر کرنا لازمی شرط ہے اور اب صورت حال یہ ہے کہ عدالت کی ڈگری کے علاوہ ہر نجی طلاق کی حیثیت غیر قانونی ہے ایک بیوی جنگی حالات میں اپنے شوہر کے دو سال سے عدم پتہ ہونے کی صورت میں جج کی صوابدید کے مطابق طلاق کی مستحق ہے ٹیونس میں عائلی قوانین متفقہ طور پر حنفی اور مالکی فقہ کے مطابق بنائے گئے ہیں۔

لبنان

لبنان میں بھی دور عثمانیہ کا مرتب کردہ "مجلۃ الاحکام العدلیہ" ہی نافذ العمل رہا۔ لیکن فرانسیسی قانون کے زیر اثر دوسرے قوانین بتدریج مجلہ کی جگہ لیتے چلے گئے اور آخر کار ۱۱ راکتوبر ۱۹۳۴ء تک ایک نیا دیوانی قانون نفاذ پا گیا۔ اس قانون کا مسودہ ڈاکٹر لوئی نے تیار کیا تھا۔ جس کی رو سے مجلہ (قانون شریعت) کی ساری دفعات جو اس مسودہ قانون کے خلاف تھیں یا مطابق نہ تھیں کالعدم قرار دیدی

گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مجلہ کی چند ایک دفعات کے علاوہ سب ساقط العمل قرار دے دی گئیں لیکن مسلمانوں کی جانب سے احتجاج کے تحت حکومت لبنان نے ایک آرڈی ننس کے ذریعے ۴ر نومبر ۱۹۴۲ء کو چند سنی اور شیعہ عدالتیں قائم کیں۔ جنہیں شادی۔ طلاق۔ حق مہر کے مقدموں کی سماعت کا اختیار سونپا گیا مزید برآں اِن عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اُن ہائیکورٹوں میں اپیل کے حق کا قانون واپس لے لیا گیا۔ جو جدید قوانین کے تحت قائم ہوئی تھیں۔ لبنان کا مذہبی قانون حنفی اور جعفری فقہ کے مطابق استوار ہے۔

عراق

۱۹۴۵ء میں عراق کی وزارت قانون نے "لائحۃ الاحوال الشخصیۃ" کے نام سے قانون منظور کیا دوسرے لفظوں میں وزارت نے شخصی قوانین کا لائحہ عمل طے کیا لیکن اس میں تمام قوانین شخصیہ شامل نہ تھے۔ ان قوانین کا بڑا حصہ شیعہ مسلک پر منحصر ہے اور جہاں تک سنّی قوانین کا تعلق ہے تو وہ مخفّف شکل میں قدوری یا شا کے مرتب کردہ ہیں اور فقہ حنفیہ سے ماخوذ ہیں۔

ایران

آئینی انقلاب کے بعد مظفر الدین شاہ قاچار نے ۱۹۰۶ء میں آئینی حکومت کے قیام کا اعلان کیا اور ایرانی کابینہ نے اس آئین کی توثیق کر دی۔ وقت کے اہم تقاضوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے قومی پارلیمنٹ نے محمد رضا شاہ پہلوی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد مختلف قسم کے ملکی۔ دیوانی، فوجداری، صنعتی اور

تجارتی قوانین بنائے گئے۔ [1]

سنگاپور

اگرچہ سنگاپور اسلامی ریاست نہیں۔تاہم یہاں اسلامی قانون سازی کی طرف کافی پیش رفت ہوئی ہے۔ ۳۰ راگست ۱۹۵۷ء کو ایک اسلامی آرڈی ننس نافذ ہوا۔جس کی رو سے مذہبی عدالتوں کا قیامِ عمل میں آیا۔ ان عدالتوں کو طلاق کے اندراج کرنے کا اختیار دیا گیا۔مسلم میریج اور طلاق رولز ۱۹۵۹ء کے تحت طلاق کی صورت میں فریقین پر یہ بات واضح کر دی گئی کہ ان کے درمیان سمجھوتا ہو جائے تو انہیں بیان حلفی داخل کر کے رجسٹر طلاق میں دستخط کرنے ہونگے۔مذہبی عدالتوں کو ایک عورت کی علیحدگی کی استدعا پر ڈگری جاری کرنے کا حق دیا گیا نیز ان عدالتوں میں، وکلاء کو حاضر ہونے کی اجازت بھی دی گئی اس کے علاوہ ان عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سننے کے لیے ایک اپیل بورڈ بھی قائم کیا گیا جس کے ممبران لازمی طور پر مسلمان ہوتے تھے

برِصغیر ہند و پاک

ہند پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے عدالتی نظام کو نئے سرے سے بحال کرنے کے لیے ایک حکمنامے کے ذریعے اعلان کیا۔کہ ہندوستانی شادی بیاہ، وراثت وصیت کے معاملات اپنے اپنے عقائد کے مطابق طے کرنے کے مجاز ہوں گے نتیجتہً کافی حد تک شخصی معاملات میں اسلامی قوانین مؤثر رہے۔تاہم بدلتے ہوئے حالات کے

---

[1] موجودہ ایرانی انقلاب کے بعد ترمیمات کا سلسلہ جاری رہے۔

تقاضوں سے مطابقت کے تحت "چلڈرن میرج رسٹرینٹ ایکٹ ۱۹۲۹ء" کے ذریعے کم عمری کی شادی پر پابندی عائد کردی گئی۔ علاوہ ازیں ۱۹۳۹ء میں مسلم تنسیخ نکاح ایکٹ نافذ ہوا۔ اس ایکٹ کے تحت ایک مسلمان عورت کے حق علیٰحدگی کی موجبات اسلامی قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے بنائی گئیں۔ یہ ایکٹ تمام مسلمانوں پر نافذ العمل تھا۔ خواہ وہ کسی بھی مکتبہ فکر اور عقیدے سے متعلق ہوں۔ اس ایکٹ کا اہم پہلو مالکی فقہ کے تحت مسلمان عورت کا اپنے خاوند کی چار سال تک عدم موجودگی کی صورت میں طلاق کی مستحق ہونا تھا۔

پاکستان

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد اس ملک کی حکومت نے اگست ۱۹۵۵ء میں ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کی سربراہی میں سات ممبروں پر مشتمل عائلی قوانین پر غور کرنے کے لیے ایک کمشن قائم کیا۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو انکی اچانک موت کے بعد چیف جسٹس عبدالرشید کو کمشن کا سربراہ نامزد کیا گیا۔ اور جون ۱۹۵۶ء میں یہ کمشن حکومت کو ایک رپورٹ پیش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ جسے ۳۰ جون ۱۹۵۹ء کے گزٹ میں شائع کردیا گیا۔ علمائے کرام کی طرف سے شدید نکتہ چینی کی بنا پر رپورٹ کو کافی لمبے عرصہ تک قانونی شکل نہ دی جاسکی۔ دریں اثناء ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو پُرامن انقلاب آیا، آئینی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ کردیا گیا۔ ۱۵ جولائی ۱۹۶۱ء کو آل پاکستان وومنز ایسوسی ایشن کے مطالبہ پر صدر محمد ایوب خاں نے کمشن کی سفارشات کی روشنی میں فیملی لاز آرڈی ننس نافذ کردیا اس آرڈی ننس کے تحت شادی کا اندراج لازمی قرار دیا گیا۔ نیز خاوند پر دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی رضامندی کے علاوہ حکومت کی مقرر کردہ اتھارٹی

سے اجازت حاصل کرنا بھی لازم تھا۔

جہاں تک وراثت کا تعلق ہے۔ پوتا جسکا والد دادا کی زندگی میں فوت ہوگیا ہو دادا کی جائداد میں سے اپنے والد کے حصّے کا مستحق قرار دیا گیا جہاں تک حق مہر کا تعلق ہے اگر نکاح نامہ میں اس کی ادائیگی کا ذکر نہ کیا گیا ہو، تو تمام حق مہر عندالطلب واجب الادا ہوگا مرکزی انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ (تحقیق) اور مشاورتی کونسل نے اسلامی قانون سازی میں بہت کوشش کی اور انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ریسیرچ نے اسلامی قانون کی دفعہ وار تدوین بمعہ ضروری تشریحات بھی شروع کردی اس ضمن میں اسلامی قوانین۔ شادی، حق مہر، نان ونفقہ پر مشتمل پہلی جلد مجموعہ قوانین اسلام کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ جب کہ طلاق کے اسلامی قوانین پر مبنی دوسری جلد زیر طبع ہے۔ نیز دیگر اسلامی قوانین پر مشتمل جلدیں جلد ہی متوقع ہیں۔ امید کی جاتی ہے۔ کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی تحریک دن بدن قوت پکڑے گی اور اسلام کے بکھرے ہوئے قوانین کی تدوین نو۔ اور ترتیب کا کام حسب حال اور ہمہ گیر تحقیق و تفتیش کے بعد ممکن ہو جائے گا۔[1]

(بشکریہ آل پاکستان لیگل ڈیسیشنز ۱۹۶۷ء (Vol. XIX)

---

[1] ۲۹ مارچ ۱۹۶۹ء کو عوامی تحریک کے باعث ملک میں دوبارہ مارشل لاء لگا دیا گیا۔ صدر ایوب خاں اقتدار جنرل یحییٰ خاں کے حوالے کر کے مستعفی ہو گئے۔ انتخاب ہوئے۔ مگر عدم انتقال اقتدار کی وجہ سے مشرقی پاکستان کا اکثریتی صوبہ بنگلہ دیش کی صورت میں ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہوگیا۔ اور ذوالفقار علی بھٹو نے ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو صدر بن کر ملک میں مارشل لاء بحال رکھا۔ ۱۹۷۲ء کو عبوری آئین نافذ ہوا اور ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء تک اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے میں برائے نام کاروائی ہوتی رہی۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو اسلامی نظام کے نفاذ کے حق میں عوام

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق)

کے مطالبہ کے بعد چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور بعد میں بطور صدر عنان حکومت سنبھالی۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو اسلامی حدود آرڈی ننس نافذ کیا گیا۔ جس کی رو سے قرار پایا کہ زنا شراب نوشی۔ چوری۔ ڈکیتی قذف وغیرہ جرائم میں قرآن و سنّت کے مطابق سزائیں دی جائیں گی۔ ایک وفاقی شریعت کورٹ کا بھی قیام عمل میں لایا گیا، جو اس حدود آرڈی ننس کے فیصلوں کے خلاف اپیل کی سماعت کرے گی۔ سپریم کورٹ میں اسلامی شریعت اپیلیٹ بنچ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ علمائے کرام میں سے وفاقی شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان کا تقرر کیا گیا۔ مجلس شوریٰ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ عشر زکوٰۃ آرڈی ننس نافذ کیا گیا جس کی رو سے بنکوں کو زکوٰۃ وضع کرنے کا حکم دیا گیا، بلاسود بینکاری کی طرف قدم بڑھایا گیا۔ ملک میں قاضی کورٹس آرڈی ننس نافذ کر دیا گیا[1] جس کی رو سے دیوانی اور فوجداری معاملات کے فیصلے تھانے کی سطح پر قاضی حضرات کیا کریں گے۔ وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل تمام مروجہ قوانین کا قرآن و سنّت کی روشنی میں جائزہ لے رہی ہے اگر اسی رفتار سے کام ہوتا رہا تو وہ دن دور نہیں۔ پاکستان اپنے قیام کے مقصد یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا عملی نمونہ بن جائے گا۔ (مترجم)

---

[1] قاضی کورٹس کے قیام کے بارے میں ایک مقالہ "منہاج" کے اسی شمارے میں شامل اشاعت ہے۔